قسط (۲)

چکبست لکھنوی کی قدریں

از جناب لکشمی نرائن دشمنت تابش نئی دہلی

بزدل زندہ بھی مُردہ ہے اور مرد لافانی ہے ؎

نام مردوں کا ازل سے ہے ابد تک زندہ — لوگ دُنیا کو عبث دارِ فنا کہتے ہیں

اگر ایک آدمی کے دل میں وطن کی محبت نہیں تو وہ پتھر کی مانند ہے ؎

بشر کا دل وہ نہیں سنگ و خشت ہے لاریب — کہ جس میں دردِ محبت نہ ہو وطن کے لیے

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہے — نثار ہو نہ وطن پر، وہ آبرو کیا ہے۔

دُنیا ایک نا تمام افسانہ ہے ؎

واللہ نہ مبدا ہے اُس کی نہ خبر — دنیا اک ناتمام افسانہ ہے

حب الوطنی ہی انسان کا حقیقی سہاگ ہے ؎

حبِّ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر — سر میں خمار ہو کر، دل میں سرور ہو کر

بسے ہوئے ہیں محبت سے جن کی قوم کے گھر — وطن کا پاس ہے، اُن کو سہاگ سے بڑھ کر

فدا وطن پہ جو ہو، آدمی دلیر ہے وہ — جو یہ نہیں تو فقط ہڈیوں کا ڈھیر ہے وہ

چکبست نے اپنی مشہور نظم "پھول مالا" میں قوم کی بیٹیوں کو حیا، صداقت پسندی وطن پرستی اور وسیع الخیالی کا پیغام دیا ہے ؎

رنگ ہے جن میں مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں   ایسے پھولوں سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز
نقل یورپ کی مناسب ہے مگر یاد رہے   خاک میں غیرتِ قومی نہ ملانا ہرگز
خود جو کرتے ہیں زمانہ کی روش کو بدنام   ساتھ دیتا نہیں ایسوں کا زمانا ہرگز
خود پرستی کو لقب دیتے ہیں آزادی کا   ایسے اخلاق پہ ایمان نہ لانا ہرگز
رخ سے پردہ کو اٹھایا تو بہت خوب کیا   پردۂ شرم کو دل سے نہ اٹھانا ہرگز
تم کو قدرت نے جو بخشا ہے حیا کا زیور   مول اس کا نہیں قارون کا خزانا ہرگز
دل تمہارا ہے وفاؤں کی پرستش کے لیے   اس محبت کے شوالہ کو نہ ڈھانا ہرگز
پوجنے کے لیے مندر جو ہے آزادی کا   اس کو نفسِ ترکج کا مرکز نہ بنانا ہرگز
خاک میں دفن ہیں مذہب کے پرانے باکمال   تم یہ سوتے ہوئے فتنے نہ جگانا ہرگز
اپنے بچوں کی خبر قوم کے مردوں کو نہیں   یہ ہیں معصوم، انہیں بھول نہ جانا ہرگز
ان کی تعلیم کا مکتب ہے تمہارا زانو   پاس مردوں کے نہیں ان کا ٹھکانا ہرگز
کاغذی پھول ولایت کے دکھا کر ان کو   دیس کے باغ سے نفرت نہ دلانا ہرگز
نغمۂ قوم کی لے جس میں سما ہی نہ سکے   راگ ایسا کوئی ان کو نہ سکھانا ہرگز
پرورش قوم کی، دامن میں تمہارے ہوگی   یاد اس فرض کی دل سے نہ بھلانا ہرگز

کسی آدمی کی محنت کبھی رائگاں نہیں جاتی ؎

اور ہوں گے جنہیں رہتا ہے مقدر سے گلا   اور ہوں گے جنہیں ملتا نہیں محنت کا صلا
میں نے جو غیب کی سرکار سے مانگا وہ ملا،   جو عقیدہ تھا مرے دل کا ہلائے نہ ہلا

انسانی زندگی کا کچھ بھی بھروسہ نہیں ؎

زندگی کا نہیں دنیا میں بھروسا اک آن   آج وہ اٹھ گئے، کرتے تھے جو کل کا سامان

اور مصرع اجل کے دام میں آتا ہے یوں تو عالم کو

آج کے انسان پر لالچ کا بھوت اس قدر سوار ہے کہ وہ سر تا پا خود غرضی اور عیش کوشی کا بوالہوس نظر آتا ہے ؎

کس کو دُکھ درد کی غیروں کے خبر رہتی ہے   حالتِ اہلِ وفا نوعِ دِگر رہتی ہے
رات دِن عیش پرستی پہ نظر رہتی ہے   ہوسِ دولت و زر و شام و سحر رہتی ہے
پیٹھ کے پیچھے بُرا کہنے میں کچھ عار نہیں   جو ہے رفتارِ خیالات، وہ گفتار نہیں

پڑھائی صرف کمائی کے لیے رہ گئی ہے نہ کہ کمال حاصل کرنے کے لیے ؎

سر میں سودا وہ نہیں جس سے میسّر ہو کمال   پڑھنے لکھنے کا فقط دولتِ دُنیا ہے مآل

دِ قریا کے دان کو سب سے بڑا دان مانا ہے ؎

وہ خود غرض ہیں جو دولت پہ جان دیتے ہیں   وہی ہیں مرد، جو وِدّیا کا دان دیتے ہیں

انسان میں انسانیت ہی اس کی سب سے بڑی بزرگی ہے ؎

کچھ بڑی بات نہیں، فاضلِ دوراں ہونا   آدمی کے لیے معراج ہے انساں ہونا

دنیا آج بھی نیک بندوں سے خالی نہیں ہے ؎

گو کہ باقی اب دلوں میں جذبۂ عالی نہیں   پاک رُوحوں سے مگر دُنیا ابھی خالی نہیں

دنیاداری میں غمزدہ بہن کی مدد کے واسطے بھائی کا دم قدم ہی کافی ہے ؎

کچھ سہارا چاہیے اہلِ محن کے واسطے   بھائی کی ڈھارس بڑی شے ہے بہن کے واسطے

کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے دُنیا میں ہر طرح اس کی سُدھ بُدھ رکھنی چاہیے ؎

کیا کہے جاتے ہو، کیا منہ سے کہے جاتے ہو   کچھ خبر ہے تمہیں کس سمت بہے جاتے ہو

انسان کی زندگی میں ہمیشہ تازگی نہیں رہ سکتی ؎

یہ چمنِ عمر ہمیشہ نہ رہے گا شاداب   خم میں باقی نہ رہے گی یہ جوانی کی شراب

آج کے دور میں لالچ، ظاہرداری اور بے وفائی ہر طرف دکھائی دے رہی ہے ؎

کفر ہے جوہرِ ذاتی کے لیے نشو و نما   ذاتِ انساں کی محبت ہے، نہ ہے خوفِ خدا
سرِ مغرور میں ہے دورِ وفا کا سودا   شانِ ظاہر کی تمنا میں ہیں دولت پہ فدا
جان سے شوقِ نمائش میں گذر جائیں ابھی   قبر چاندی کی جو مل جائے تو مر جائیں ابھی

انگریزی کی مشہور کہاوت ہے :-

"A little knowledge is a dangerous thing."

چکبست نے کہا ہے ؎

ہو گیا ہے ذرا چار کتابوں پہ عبور — تو غضب کی ہمہ دانی ہے، قیامت کا غرور

کسی شاعر نے اسی بات کو یوں کہا ہے ؎

اچھل کے وہ نہیں چلتے جو کامل ہیں کسی فن میں — چھلک جاتا ہے پانی قاعدہ ہے آدھے برتن میں

کسی چیز کی جستجو اسی وقت تک جاری رہتی ہے جب تک وہ نہ ملے. جب وہ چیز مل جاتی ہے تو اس کی تلاش ختم ہو جاتی ہے ؎

اگر دم بھر کبھی مٹ جاتی خلش خارِ تمنا کی — دلِ حسرت طلب کو اپنی ہستی سے گلا ہوتا

گیتا پیغامِ عمل دیتی ہے۔ یہی "نشکام کرم" کی تلقین کرتی ہے۔ فرض کی ادائیگی ہی عین عبادت ہے، ہر چیز میں اسی خدا کا ظہور ہے، روح امر ہے، انسان کے لیے فرض کی تعمیل کرنا ہی اس کا سب سے بڑا دھرم ہے۔ چکبست نے ان تمام باتوں کو اس طرح چابکدستی سے بیان کیا ہے ؎

روح و قالب کی جدائی پہ عبث ہے وسواس — جو مسافر ہے، وہ منزل پہ بدلتا ہے لباس
روح دنیا کی مسافر ہے، اجل منزل ہے — اس سفر میں جو کھٹکتا ہے وہ کانٹا دل ہے
صاف نیت ہے تو بیکار ہے، انجام کا ڈر — پاک بندے جو ہیں رکھتے ہیں فقط حق پہ نظر
خود ریاضت کو سمجھتے ہیں، ریاضت کا ثمر — پھل کے لالچ میں لگاتے نہیں نیکی کا شجر
ان کی آنکھوں میں وہی داغ وفا پیارے ہیں — خود غرض کے لیے جو آگ کے انگارے ہیں
پھول دنیا کے جو کھلتے ہیں لبھانے کے لیے — سانپ بچھو ہیں مسافر کے ستانے کے لیے
سلسلہ ہستیٔ فانی کا مٹانے کے لیے — بزمِ عالم سے نہ جا لوٹ کے آنے کے لیے
تیری ہستی کا جو ہے راگ بھلا دے اس کو — پردۂ سازِ حقیقت میں چھپا دے اس کو
کس لیے خاک کے پتلوں کے لیے روتا ہے — دیکھنے کو ہے کھلی آنکھ مگر سوتا ہے

کچھ خبر ہے تجھے کیوں جان عبث کھوتا ہے — کون کرتا ہے فنا، کون فنا ہوتا ہے
دوست دشمن کا مددگار وہی جنگ میں ہے — ایک صورت گرہستی ہے جو، ہر رنگ میں ہے
وہی بسمل ہے، وہی جوہرِ شمشیر بھی ہے — شعلۂ شمع وہی ہے، وہی گلگیر بھی ہے
خود مصوّر ہے وہی اور وہی تصویر بھی ہے — وہی حاکم، وہی قیدی، وہی زنجیر بھی ہے
جوہری بھی ہے وہی، جوہرِ عالی بھی وہی — پھول بھی ہے وہی، اس باغ کا مالی بھی وہی
تیری آنکھوں سے اگر دور ہو مایا کی نقاب — دیکھ پھر کیا نظر آتے ہیں عزیز اور احباب
بیوفاؤں کی مروّت میں نہ کر عمر خراب — حق پرستوں کی امانت ہے ترا زورِ شباب
دھرم پر جو نہ فدا ہو، وہ جوانی کیا ہے — دودھ کی دھار ہے، تلوار کا پانی کیا ہے

ظفر کہتے ہیں جس کو دھرم وہ دُنیا کا ہے چراغ۔

خودغرضی کا یہ عالم ہے کہ لوگوں نے آنکھوں پر پٹیاں باندھی ہوئی ہیں اور ہمدردی دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے لیے صرف پیسہ ہی سب کچھ ہے ؎

دُنیا کا ہو گیا یہ کیسا ہو سپید — اندھا کیے ہوئے ہے زر و مال کی اُمید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید — سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید

ہونی شدنی یقینی ہے جو ہونے کے لیے ہی بنائی ہے۔ خدا کی باتیں درحقیقت خدا ہی جانتا ہے اور اس کے بھیدوں کی کسی کو بھی خبر نہیں ؎

یہ چھل، یہ فریب، یہ سازش، یہ شور و شر — ہونا جو ہے سب اس کے بہانے ہیں سر بسر
اسبابِ ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر — کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں — منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

انسان کو ہر حال میں خدا کا شکر گذار ہونا چاہیے سکھ اور دُکھ دیتی ہیں۔ اس انسانی دُنیا میں دُکھی زیادہ اور سکھی کم ہیں ؎

راحت ہو یا کہ رنج، خوشی ہو کہ انتشار — واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار

تمہی نہیں ہو گشتۂ نیرنگِ روزگار — ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں — دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں
دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب — جن سے کہ بے گناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوزِ دروں سے قلب و جگر ہو گئے کباب — پیری مٹی کسی کی، کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے — وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اجڑ گئے

مایوس ہونا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے مصیبت کا بوجھ خندہ پیشانی اور مستقل مزاجی سے اٹھانا چاہیے ؎

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار — کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گنہگار — یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہے — گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

جس پر خدا کی سیدھی نظر ہوتی ہے اس کا دنیا میں کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا اور جب دن اچھے ہوتے ہیں تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے۔ اسی طرح آدمی بناتا ہے اور خدا ڈھاتا ہے ؎

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں — ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انہیں گراں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں — وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائگاں
رکھتا ہے جو عزیز انہیں اپنی جان کی طرح — ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح
لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار — موقوف کچھ ریاض پہ ان کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار — وہ ابر و باد و برف میں رہتے ہیں برقرار
ہوتا ہے ان پہ فضل جو ربِّ کریم کا — موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

خدا کی نظر کرم ہوتے ہی ساری دنیا کرم فرما ہو جاتی ہے اور وہ ہر وقت ہر ایک انسان کی خبر رکھتا ہے ؎

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پہ — صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ، سفر ہو کہ ہو حضر — رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بےخبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں　　　دامانِ دخترِ دامنِ مادر سے کم نہیں

ماں کے ساتھ وفاداری نبھانا سپوت کا ہی کام ہے ؎

جو بے وفا ہے مادرِ ناشاد کے لیے　　　دوزخ یہ زندگی ہے اُس اولاد کے لیے

مرنا میراثِ آدم ہے جس سے نہ کوئی بچا ہے اور نہ بچے گا۔ چنانچہ ایک لیڈر کی موت سانحۂ عظیم ہے لیکن اس کی خوبیاں اس کی یاد کو تروتازہ کرنے کے لیے کافی ہیں ؎

یوں تو دنیا میں ہمیشہ سے ہے مرنے کا چلن　　　اپنے بچوں کو نگلتی ہے زمیں کی ناگن

داغ دیتا ہے مگر جب کوئی دل سوزِ وطن　　　اس کے صدمے سے لرزتا ہے بیابانِ کہن

نہ دولت یاد آتی ہے، نہ غم ہوتا ہے ثروت کا　　　جسے روتی ہے دُنیا، ہے وہ جوہر آدمیت کا

مآلِ زندگی ہے لاش پر آنسو محبت کا　　　دعائے خیر مرنے پر صلہ ہے حُسنِ خدمت کا

انسان فانی ہے مگر اُمید کی جھلک اس کی زندگی کو پُربہار بنا دیتی ہے ؎

نہ اعتبار سہی اس حیاتِ فانی کا　　　مگر اُمید سے ہے لُطف زندگانی کا

پیامِ مرگ ہے غمِ یاسِ جاودانی کا　　　شباب روح کا ہے حوصلہ جوانی کا

عد قائم اُمید ہی سے ہے دُنیا ہے جس کا نام

خدا کے سوائے غریب کا کوئی ہمدرد نہیں ہوتا ؎

آج کل مہرِ وفا میں ہے تجارت کی ادا　　　کوئی بیکس کا نہیں بجز ذاتِ خدا

سرد مہری کی یہ حالت ہے کہ ایک آدمی کو بڑے عہدہ پر پہنچنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے شرم آنے لگتی ہے

یوں ہوا کرتے ہیں یارانِ کہن دل سے جُدا　　　جیسے پتوں سے گرا دیتی ہے پانی کو ہوا

جس کا اقبال زمانہ میں چمک جاتا ہے　　　اس کو بچپن کے رفیقوں سے حجاب آتا ہے

جوانی میں مرنا سب سے زیادہ دُکھدائی ہوتا ہے ؎

شباب یوں ہی لٹا ہے کسی کے بسمل کا　　　ستم ہے جوشِ جوانی میں ٹوٹنا دل کا

جہاں میں دیکھے ہیں ایسے بھی خوش نصیب شجر　　　سدھارتے ہیں جو گلشن سے پھول کر، پھل کر

نظر سے گذرے ہیں ایسے بھی نخل بار آور   جو سوکھ جاتے ہیں فصلِ بہار میں آکر

ایک رنگ میں زندگی گذارنا ہی دیوانہ پن ہے ؎

زندگی یوں تو فقط بازیٔ طفلانہ ہے   مرد وہ ہے جو کسی رنگ میں دیوانہ ہے

کسی نے کہا ہے مصرعہ دلا دیوانہ شو، دیوانگی ہم عالمے دارد

وطن کی عزت بچانے کے لیے میدانِ جنگ میں کام آنا ایک سپاہی کے لیے معراج ہے ؎

موت معراج ہے اس دشت کے راہی کے لیے   آنچ تلوار کی جنّت ہے سپاہی کے لیے

راستہ ہے یہی قوموں کی تباہی کے لیے   خونِ معصوم کا دوزخ ہے سپاہی کے لیے

دردمندی انسانی دولت ہے ؎

درد ہے دل کے لیے اور دل انساں کے لیے   تازگی برگ و ثمر کی چمنستاں کے لیے

مصرعہ دردمندوں کی کمائی نہیں جاتی برباد۔

ظلم اور انصاف میں آگ اور پھوس کا سا بیر ہے ؎

بے گنہ ظلم سے ہو جاتے ہیں اکثر معذور   مگر انصاف کا دربار بھی ہوتا ہے ضرور

جس طرح پھول سے کانٹا الگ نہیں ہو سکتا اسی طرح مذہب سے اخلاق علیحدہ نہیں ہو سکتا ؎

مُردہ ہے رواں روح ہو گر جسم بشر سے   کانٹا ہے جُدا ہو جو نزاکت گل تر سے

ہے مثلِ خزف دُورِ صفا ہو جو گہر سے   آئینۂ بے آب اترتا ہے نظر سے

مذہب بجز اخلاقِ رواں ہو نہیں سکتا   معنی سے کبھی لفظ جُدا ہو نہیں سکتا

دنیا ایک خواب ہے۔ اس میں رہتے ہوئے ایک گیانی پر سکھ دُکھ اور نفع نقصان کا اثر نہیں ہوتا ؎

انتظامِ دہر میں آخر ہے یہ تدبیر کا   خوابِ دُنیا ہے، تو اس خواب کی تعبیر کیا

ہے فسانہ یہ حدیثِ صبر و تسکین و قرار   خوابِ ہستی کی نہیں تعبیر ایسی زینہار

یہ حیاتِ عالمِ خواب ہے، نہ عذاب ہے، نہ ثواب ہے   وہی کفر و دیں میں خراب ہے جسے علمِ رازِ جہاں نہیں

جو ظہورِ عالمِ ذات ہے یہ فقط ہجومِ صفات ہے   ہے جہاں کا اور وجود کیا جو طلسمِ وہم و گماں نہیں

؎ کچھ طلسمِ آفرینش کا نہیں کھلتا مآل

ایک دوسری جگہ کہا ہے۔ ؎ خواب یہ دُنیا ہے، یاں کیسی خوشی، کیسا الم

ڈاکٹر اقبال نے غم کو روح کا ایک "نغمۂ خاموش" کہا ہے۔ چکبست بھی رنج میں قدرے مصلحت دیکھتے ہیں ؎

کیا وہ ناداں ہیں جو کہتے ہیں زندے اعتبار　　مصلحت رہتی ہے رنج و درد میں بھی آشکار

چکبست نے آبرو اور دین کی تعریف کتنے سادہ اور پیارے لفظوں میں کی ہے ؎

آبرو کیا ہے؟ تمنّائے وفا میں مرنا　　دین کیا ہے؟ کسی کامل کی پرستش کرنا

ہمّت یا حوصلہ کے بل بوتے پر دُنیا کا مشکل سے مشکل کام بھی پورا کیا جا سکتا ہے ؎

کمالِ بزدلی ہے پست ہونا اپنی آنکھوں میں　　اگر تھوڑی سی ہمّت ہو تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

اُبھرنے ہی نہیں دیتی ہمیں بے مائگی دل کی　　نہیں تو کون قطرہ ہے جو دریا ہو نہیں سکتا

اہلِ ہمّت منزلِ مقصود تک آ بھی گئے　　بندۂ تقدیر قسمت سے گلا کرتے رہے

آزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے ؎

دل میں اس طرح سے ارمان ہیں آزادی کے　　جیسے گنگا میں جھلکتی ہے چمک تاروں کی

چشمہ میں بھی جوش اور زندگی ہے ؎

جب اپنی جا سے اُبلتا ہے چشمۂ کہسار　　قدم قدم پہ دکھاتا ہے جوش کی رفتار

مگر جو راہ میں حائل ہو پتھروں کا فشار　　تو یوں بکھرتا ہے قطروں میں جیسے اشک کا تار

ماں کی محبّت انمول ہے جس کا دُنیا میں کوئی بدل نہیں اور اس کے دین، کو کوئی بھی نہیں چُکا سکتا ؎

اس درد کا شریک تمہارا جگر نہیں　　کچھ ماںتا کی آنچ کی تم کو خبر نہیں

اولاد جب کبھی تمہیں صورت دکھائے گی　　فریاد اس غریب کی تب یاد آئے گی

گوسوامی تلسی داس جی نے "رام چرتر مانس" میں کہا ہے ؎

رگھوکل ریت سدا چلی آئی،　　پُران جائیں، پر بچن نہ جائی

ایک بیٹے کا فرماں بردار، محنتی، وفادار ہونا والدین کے لیے خوش قسمتی ہے اور اس کے واسطے باپ کے کیے گئے وعدہ کو پورا کرنا خاندان کے نام و ناموس کو دوبالا کرنا ہے۔ آج کتنے بیٹے ایسے ہیں جنھوں نے اپنے خاندان کی عزت کو بچانے کی خاطر ہے در پے مشکلیں جھیلی ہیں اور اپنے کردار، رفتار اور گفتار میں ہم آہنگی قائم رکھی ہے؟ چنانچہ اسی تاریخی روایت کے پس منظر میں چکبست نے اپنی مشہور نظم "رامائن کا ایک سین" میں مذکرہ سچائی کو اس طرح پیش کیا ہے ؎

جاتا کہیں نہ چھوڑ کے قدموں کو آپ کے　　مجبور کر دیا مجھے وعدہ نے باپ کے
آرام زندگی کا دکھاتا ہے سبز باغ　　لیکن بہار عیش کا مجھ کو نہیں دماغ
کہتے ہیں جسکو دھرم وہ دنیا کا ہے چراغ　　ہٹ جاؤں اس روش سے تو کل میں لگے گا داغ
بے آبرو یہ نسل نہ ہو یہ ہراس ہے　　جس گود میں پلا ہوں مجھے اس کا پاس ہے

چکبست کی قدروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ انھوں نے ہم کو ہندو مسلم امتیازات اور مذہبی رسوم وغیرہ سے بلند ہو کر زندگی کی سچائیوں سے روشناس کرایا ہے۔ انھوں نے ہمیں لالچ، عیش پرستی، خود غرضی، فریب کاری، بیوفائی، مایوسی، ظلم، غیبت، عداوت اور تنگ نظری وغیرہ برائیوں کو چھوڑنے کی تلقین کی ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ برائیاں ہیں جو ایک انسان کو تذبذب اور شک میں ڈال کر راہِ صداقت سے بھٹکا دیتی ہیں اس واسطے ان سے پرہیز کرنا ہی ایک انسان کے لیے عقلمندی ہے۔ چکبست خود ایک دنیا دار آدمی تھے۔ اسی لیے ان کی قدروں میں ایک انسان کا دل دھڑکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان میں روحانیت بھی ہے اور دنیاوی ہوش مندی بھی، ایک انسانی احساسات اور جذبات کی تصویر بھی اور انسانی دنیا کے لیے درد اور تڑپ بھی، سوز بھی اور ساز بھی ——— اور انھیں قدروں پر چکبست کی شاعرانہ بزرگی کا ایوان قائم ہے۔

چکبست نے یکجہتی، وفاداری، خدا پرستی، مستقل مزاجی، انسانیت، وسیع النظری، انصاف، حب الوطنی، مشقت، انسانی ہمدردی، خیرات، صداقت پسندی اور پاکیزگی قلب وغیرہ قدروں پر زور دیا ہے۔ جو نہ صرف ان کو اور ان کے زمانے کے لوگوں میں مقبول عام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں

بلکہ وہ آج بھی اسی طرح عزیز اور مقبول ہیں اور آئندہ بھی ان کی آفاقیت اور تازگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ ان قدروں پر صرف امنِ عالم ہی قائم نہیں بلکہ نظامِ کائنات کا انحصار بھی ہے۔ وہ اس تنگ و تاریک دنیا کے جھنجھٹوں سے بچ کر نکلے اور ایک ایسی دنیا میں پہنچ گئے جہاں وفادار، اخوت، کشادہ قلبی اور رواداری کا دور دورہ تھا۔ لہٰذا آج کل جیسے پُر آشوب دور میں یہ اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم سب ان متذکرہ بالا قدروں کی اہمیت کو اس کشمکش اور افراتفری کے پس منظر میں بخوبی سمجھیں اور ان کو نئے ماحول کی چاشنی دے کر عمل کرنے کی کوشش کریں تاکہ افق سے مایوسی اور بے چینی کے آثار غائب ہو جائیں اور ایک بار پھر انسان کے دل و دماغ اور رگ و پے میں خوشی کی لہر دوڑ سکے اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جبکہ ہم اس فرضِ مقدس کو مل جل کر عزم کے ساتھ اپنانے اور نبھانے کی مقدور بھر کوشش کریں۔

صدیق اکبرؓ

مولفہ: مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی

مولانا شبلی نے الفاروق لکھ کر حضرت عمرؓ کا تو حق ادا کر دیا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حق ابھی باقی تھا، ہمارے فاضل دوست مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی نے یہ کتاب لکھ کر اس کا حق ادا کیا ہے۔ (معارف) خلیفہ اول کی سیرت اور حالات و واقعات پر جنھیں امت خیر البشر بعد رسول اللہ مانتی ہے جنھوں نے خلافت راشدہ کی بنیادیں مضبوط کیں اردو میں کوئی جامع اور مفصل کتاب نہیں تھی، شکر ہے اس محققانہ کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی۔

صفحات ۴۸۰ بڑی تقطیع (نظر ثانی کے بعد دوسرا ایڈیشن) -/ مجلد -/۹

ندوۃ المصنفین دہلی